مولانا محمد نفیس خاں ندوی *

مسلم ممالک کا فوجی اتحاد
اندیشے۔امیدیں

سعودی عرب کی قیادت میں ایک فوجی اتحاد کی تشکیل کا اعلان ہوا ہے جس میں 34 مسلم ممالک شامل ہیں، اس کا بنیادی مقصد آپسی تعاون کے ذریعہ دہشت گردی کا مقابلہ کرنا ہے، اس اتحاد کا مرکزی دفتر سعودی عرب کا دارالحکومت ریاض ہوگا جہاں سے باہمی روابط اور فوجی سرگرمیوں کو کنٹرول کیا جائے گا۔

مسلم ممالک کا یہ پہلا اتحاد ہے جو دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے قائم ہوا ہے، خاص کر وہ دہشت گردی جس کی نسبت اسلام اور مسلمانوں کی طرف کی جاتی ہے اور پھر میڈیا کے پروپیگنڈہ سے عالمی سطح پر اسلام کی شبیہ داغدار ہوتی ہے۔ مغربی ممالک میں بھی اس اتحاد کو ایک اہم پیش رفت اور قابل اطمینان اقدام قرار دیا جارہا ہے۔

اس اتحاد کی تشکیل ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ ایک طرف سعودی عرب حوثی باغیوں سے برسرپیکار ہے اور دوسری طرف مشرق وسطی کا ایک بڑا حصہ خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھا ہوا ہے، اس کے علاوہ داعش کی فوجی اور انتہا پسندکارروائیاں بھی تشویش کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ سعودی عرب کے نائب ولی عہد اور وزیر دفاع محمد بن سلیمان نے وضاحت کی ہے کہ اس اتحاد کی کارروائیاں صرف مسلم ملکوں تک محدود نہیں ہوں گی بلکہ جہاں کہیں بھی دہشت گردی ہوگی اتحاد وہاں اپنا مؤثر کردار ادا کرے گا۔

جن ممالک کو اس تحاد میں شامل کیا گیا ہے ان میں ایک درجن کے قریب ایشیائی ممالک ہیں جیسے سعودی عرب کے علاوہ بحرین، عرب امارات، قطر، پاکستان، بنگلہ دیش، فلسطین، یمن، مالدیپ، کویت، لبنان، اردن وغیرہ، اس کے علاوہ ترکی بھی ہے جس کا ننانوے فیصد حصہ ایشیاء میں ہے لیکن دارالحکومت یورپ میں ہونے کی وجہ سے اسے یورپ کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ زیادہ تر غریب افریقی ممالک ہیں جیسے سوڈان، صومالیہ، تیونس، مراکش، نائجیریا، لیبیا اور مصر وغیرہ۔

---

* مدیر مسئول ماہنامہ پیام عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

اس اتحاد میں وہ ممالک بھی شامل ہیں جن کے پاس جدید قسم کے بہترین ہتھیار اور تجربہ کار فوج بھی ہے، ان کی شمولیت سے یقیناً اتحاد کو مضبوطی ملے گی، نیز اس میں وہ ممالک بھی شامل ہیں جنھیں برسوں سے جنگ زدہ حالات کا سامنا ہے اور وہاں امن وسلامتی کا فقدان ہے، اس کے علاوہ بعض وہ ممالک بھی ہیں جو اس وقت محض اپنی بقا کی جنگ میں مصروف ہیں۔

جہاں اس اتحاد کا ہر چہار جانب سے خیر مقدم کیا جارہا ہے اور اسے ایک مؤثر پیش رفت سے تعبیر کیا جارہا ہے وہیں کچھ سوالات بھی ابھر کر سامنے آرہے ہیں جن کے جوابات فی الحال غیر واضح ہیں۔ مثال کے طور پر اس اتحاد کی کارروائیاں جن دہشت گرد تنظیموں کے خلاف ہوں گی ان میں مغربی دہشت گرد تنظیمیں بھی شامل ہیں یا نہیں؟ اندیشہ اس بات کا بھی ہے کہ اس اتحاد کے ذریعہ کہیں صرف مسلمانوں کا ہی خون نہ ارزاں ہوجائے اور اس کی شروعات داعش سے ہو، کیونکہ فرانس حملہ کے بعد بظاہر داعش کی ضرورت ختم ہوچکی ہے اور اس کی کمر توڑنا ہی امریکی مفاد کے حق میں ہے، اور یہ کام مسلم حکومتوں کے ذریعہ پورا کرانا بہت ہی آسان ہے۔

اتحاد کے اہداف کے علاوہ اس کے ارکان کے اندرونی مسائل بھی اہم ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مثال کے طور پر بحرین کا مسئلہ ہے، وہاں اکثریت شیعوں کی ہے جبکہ سنی اقلیت میں ہیں اور اقتدار انہیں کے پاس ہے، اب اگر اس اتحاد کا رخ یمن میں حوثی باغیوں کی جانب ہوگا تو یقیناً بحرین کی اکثریت بحرین کے اس جنگ میں شامل ہونے کے خلاف ہوگی جس سے ملک کے حالات بگڑ بھی سکتے ہیں۔

اسی طرح قطر کا معاملہ ہے کہ اس نے مصر کے پہلے منتخب صدر محمد مرسی کی کھل کر حمایت کی تھی اور انکے صرف ایک سالہ دور حکومت میں تقریباً ساڑھے سات ارب ڈالر کی امداد بھی پیش کی تھی، اس کے علاوہ قطر پر حماس کی امداد کا بھی الزام لگتا رہا ہے جس کی امریکہ ومصر کے ساتھ سعودی عرب نے بھی مذمت کی تھی۔

اس اتحاد میں فلسطین کی شمولیت کا بھی اعلان کیا گیا ہے لیکن یہ واضح نہیں کیا گیا ہے کہ فلسطین سے کون سا علاقہ مراد ہے، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اس وقت فلسطین دو حصوں میں تقسیم ہے یعنی دریائے اردن کا مغربی کنارا جس پر محمود عباس کی فتح پارٹی کی حکومت ہے، اور دوسرا حصہ غزہ پٹی پر مشتمل ہے جو حماس کے کنٹرول میں ہے، اور یہ دونوں علاقے اسرائیلی فوج کے رحم وکرم پر ہیں، جب چاہے ان علاقوں میں آمد ورفت کو بند کردیا جاتا ہے، غزہ کے مسلمانوں کی مظلومیت سے پوری دنیا واقف ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ سعودی عرب کے حماس سے اچھے تعلقات نہیں تھے اس لیے ممکن ہے کہ اس اتحاد میں محمود عباس کی حکومت کی شمولیت ہو۔

اس اتحاد میں یمن کو بھی شامل کیا گیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کون سا یمن مراد ہے۔ شمالی یمن یا جنوبی یمن؟ کیونکہ اس وقت عملی طور پر یمن دو حصوں میں بانٹا جا چکا ہے، ایک حصہ شمالی یمن کا ہے جس کا دارالحکومت صنعاء ہے اور اس پر حوثی شیعہ قبائل کا قبضہ ہے، جن کے خلاف اس وقت سعودی عرب نے جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ اور دوسرا حصہ جنوبی یمن کا جس کا دارالحکومت عدن ہے اور اس پر منصور ہادی کے حامیوں کا قبضہ ہے، اور اسے سعودی عرب کی حمایت حاصل ہے، منصور ہادی کو 2012ء میں متحدہ یمن کا صدر منتخب کیا گیا تھا جنھوں نے سابق صدر علی عبداللہ صالح کو معافی دیدی تھی۔

اس اتحاد میں پاکستان بھی شامل ہے جبکہ اس سے پہلے پاکستانی حکومت نے حوثی باغیوں کے خلاف سعودی عرب کی فوجی کارروائی میں شامل ہونے سے بالکل انکار کر دیا تھا جس پر سعودی عرب کی جانب سے ناراضگی بھی ظاہر کی گئی تھی، اب اس اتحاد میں شمولیت حوثی کے خلاف کارروائی میں پاکستان کا موقف اختیار کرے گا یہ ایک اہم سوال ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش بھی اس اتحاد میں شامل ہے جو کہ اپنے آئین کے مطابق ایک سیکولر ریاست ہے، 2010ء میں جب بنگلہ دیش کے آئین کے اصول مرتب ہوئے تو ان میں سیکولرازم کو بنیادی اہمیت دی گئی، اور عدالت عالیہ نے مذہب کے نام پر سیاست کرنے پر پابندی عائد کردی، اس پس منظر میں دیکھا جائے تو بنگلہ دیش مذہبی بنیاد پر اس اتحاد میں شامل نہیں ہوسکتا، البتہ صرف دہشت گردی کے خاتمہ کے عنوان سے اس کی شمولیت کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو اس اتحاد کی ظاہری شکل غیر واضح نظر آتی ہے کیونکہ اس میں شامل کئی ارکان خود اپنی اندرونی مشکلوں کا شکار ہیں، مثلاً لبنان کی نصف آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے جبکہ باقی نصف آبادی میں عیسائی ہیں یا کچھ دوسرے اقلیتی فرقے ہیں۔

ایسے حالات میں اس نئے اتحاد کی کیا شکل بنے گی اس سلسلہ میں کچھ کہنا شاید قبل از وقت ہو، بہت ممکن ہے کہ اتحاد کے ارکان سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنی ٹھوس اور مؤثر حکمت عملی کے ذریعہ اندرونی مسائل کو حل کرنے کی کامیاب کوشش کریں، اور اس اتحاد کو شعوری یا غیر شعوری طور پر مغربی مفادات کے حق میں استعمال ہونے سے محفوظ رکھیں، تاہم اس سے انکار نہیں کہ سعودی عرب کا یہ اقدام ایک خوش آئند اقدام ہے اور خاص کر وہ کمزور ممالک جو اپنا تحفظ نہیں کر سکتے ان کے لیے نہایت مفید اور معاون۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ جلد ہی مسلمانوں کے سر پر سے زوال ونکبت کے بادل چھٹیں گے اور عروج کی کرنیں نمودار ہوں گی، اور مسلمانوں کے ہی ہاتھوں مسلمانوں کی تباہی کا جو سلسلہ چل رہا ہے وہ ختم ہوگا۔